

# اسلامی نظام معاشرت

## اساسی نظریات

یہ بات اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ اپنے قانون کی حکمت پر بھی خود ہی روشنی ڈالتا ہے۔ معاشرت میں عورت اور مرد کے تعلقات کو منضبط کرنے کے لیے جو قانون اسلام میں پایا جاتا ہے اس کے متعلق خود اسلام ہی نے ہم کو بتا دیا ہے کہ اس قانون کی بنیاد کن اصولِ حکمت اور کن حقائقِ فطرت پر ہے۔ زوجیت کا اساسی مفہوم اس سلسلہ میں سب سے پہلی حقیقت جسکی پردہ کشائی کی گئی ہے، یہ ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذاریات - ۳) اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں۔

اس آیت میں قانونِ زوجی (Law of Sex) کی ہم گیری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کارگاہِ عالم کا انجنیر خود اپنی انجنیری کا یہ راز کھول رہا ہے کہ اس نے کائنات کی یہ ساری مشینیں قاعدہٴ زوجیت پر بنائی ہے، یعنی اس مشین کے تمام کل پرزے جوڑوں (pairs) کی شکل میں بنائے گئے ہیں، اور اس جہانِ خلق میں جتنی کارگیری تم دیکھتے ہو وہ سب اپنی جوڑوں کی تزویج کا کرشمہ ہے۔

اب اس پر غور کرو کہ زوجیت کیا شے ہے۔ زوجیت میں اصل یہ ہے کہ ایک شے میں فعل ہو اور دوسری شے میں قبول و انفعال۔ ایک شے میں تاثیر ہو اور دوسری شے میں تاثر۔ ایک شے میں عاقدیت ہو اور دوسری شے میں منعقدیت۔ یہی عقد و انعقاد، اور فعل و انفعال، اور تاثیر و تاثر اور فاعلیت و قابلیت کا تعلق دو چیزوں کے درمیان زوجیت کا تعلق ہے۔ اسی تعلق سے تمام ترکیبات واقع ہوتی ہیں۔ اور انہی ترکیبات سے عالمِ خلق کا سارا کارخانہ چلتا ہے۔ کائنات میں جتنی چیزیں ہیں

وہ سب اپنے طبقہ میں زوج زوج اور جوڑ جوڑ پیدا ہوئی ہیں، اور ہر دو زوج کے درمیان اصلی و اساسی حیثیت سے زوجیت کا یہی تعلق پایا جاتا ہے کہ ایک فاعل ہے اور دوسرا قابل منفعّل۔ اگرچہ مخلوقات کے ہر طبقے میں اس تعلق کی کیفیت مختلف ہو جاتی ہے، مثلاً ایک تزدیج وہ ہے جو بطن اور عناصر میں ہوتی ہے، ایک ٹھمرکبات غیر نامیہ میں ہوتی ہے، ایک جو اجسام نامیہ میں ہوتی ہے، ایک جو انواع حیوانی میں ہوتی ہے۔ یہ سب تزدیجیں اپنی نوعیت اور کیفیت اور فطری مقاصد لحاظ سے مختلف ہیں۔ لیکن اصل زوجیت ان سب میں وہی ایک ہے۔ ہر نوع میں خواہ وہ کسی طبقہ کی ہو، فطرت کے اصل مقصد، یعنی وقوع ترکیب اور حصول ہیئت ترکیبی کے لیے ناگزیر ہے کہ زوجین میں ایک میں قوتِ فعل ہو اور دوسرے میں قوتِ انفعال۔

آیت مذکورہ بالا کا یہ مفہوم متعین ہو جانے کے بعد اس کے قانون زوجیت کے تین ابتدائی اصول مستنبط ہوئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جس فارمے پر تمام کائنات کی تخلیق کی ہے اور جس طریقے کو اپنے اس کارخانے کے چلنے کا ذریعہ بنایا گوہ ہرگز ناپاک اور ذلیل نہیں ہو سکتا بلکہ اپنی اصل کے اعتبار سے وہ پاک اور محترم ہی ہے اور ہونا چاہیے۔ کارخانہ کے مخالف اس کو گندہ اور قابل نفرت قرار دے کر اس کو اجتناب کر سکتے ہیں، مگر خود کارخانہ کا صانع اور مالک تو یہ کبھی نہ چاہیگا کہ اس کا کارخانہ بند ہو جائے۔ اس کا منشاء تو یہی ہے کہ اس کی مشین کے تمام پرزے چلتے رہیں اور اپنے اپنے حصے کا کام پورا کریں۔

۲۔ فعل اور انفعال دونوں اس کارخانے کو چلانے کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ فاعل اور منفعّل دونوں کا وجود اس کارخانہ میں یکساں اہمیت رکھتا ہے۔ نہ فاعل کی حیثیت فعلی میں کوئی عزت ہے اور نہ منفعّل کی حیثیت انفعالی میں کوئی ذلت۔ فاعل کا کمال یہی ہے کہ اس میں قوتِ فعل اور کیفیتِ فاعلیہ پائی جائے تاکہ وہ زوجیت کے فعلی پہلو کا کام بخوبی ادا کر سکے۔ اور منفعّل کا کمال یہی ہے کہ اس میں انفعال اور کیفیتِ انفعالیہ بدرجہ اتم موجود ہوں تاکہ وہ زوجیت کے انفعالی اور قبولی پہلو کی خدمت باحسن وجہ بجالا سکے۔ ایک معمولی مشین کے پرزے کو بھی اگر کوئی شخص اس کے اصلی مقام سے ہٹا دے اور اس سے وہ کام لینا چاہے جس کے لیے وہ

در اصل بنایا ہی نہیں گئی ہے، تو وہ احمق اور اناڑی سمجھا جائیگا۔ اول تو اپنی اس کوشش میں اسے کامیابی نہ ہوگی اور اگر وہ بہت زور لگائیگا تو بس اتنا کر سکیگا کہ مشین کو توڑ دے۔ ایسا ہی حال کائنات کی اس عظیم شان مشین کا بھی ہے۔ جو احمق اور اناڑی ہیں وہ اس کے زورچ فاعل کو زورچ منفعل کی جگہ یا زورچ منفعل کو زورچ فاعل کی جگہ رکھنے کا خیال کر سکتے ہیں، اور اسکی کوشش کر کے اور اس میں کامیابی کی امید رکھ کر مزید حماقت کا ثبوت بھی دے سکتے ہیں۔ مگر اس مشین کا صانع تو ہرگز ایسا نہ کریگا۔ وہ تو فاعل پرزے کو فعل ہی کی جگہ رکھیگا اور اسی حیثیت سے اسکی تربیت کریگا۔ اور منفعل پرزے کو انفعال ہی کی جگہ رکھیگا اور اس میں انفعالی استعداد ہی پرورش کر نیکا انتظام کریگا۔

۳۔ فعل اپنی ذات میں قبول و انفعال پر بہر حال ایک طرح کی فضیلت رکھتا ہے۔ فیضیلت اس معنی میں نہیں ہے کہ فعل میں عزت ہو اور انفعال اس کے مقابلہ میں ذلیل ہو۔ بلکہ فیضیلت دراصل غلبہ اور قوت اور اثر کے معنی میں ہے۔ جو شے کسی دوسری شے پر فعل کرتی ہے وہ اسی وجہ سے قوت کرتی ہے کہ وہ اس پر غالب ہے، اس کے مقابلہ میں طاقتور ہے، اور اس پر اثر کرنے کی قوت رکھتی ہے۔ اور جو شے اس کے فعل کو قبول کرتی اور اس سے منفعل ہوتی ہے اس کے قبول و انفعال کی وجہ یہی ہے کہ وہ مغلوب ہے، اس کے مقابلہ میں کمزور ہے، اور متاثر ہونے کی استعداد رکھتی ہے۔ جس طرح وقوع فعل کے لیے فاعل اور منفعل دونوں کا وجود یکساں ضروری ہے، اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ فاعل میں غلبہ اور قوت تاثیر ہو اور منفعل میں مغلوبیت اور قبول تاثیر کی استعداد۔ کیونکہ اگر دونوں قوت میں یکساں ہوں اور کسی کو کسی پر غلبہ حاصل نہ ہو تو ان میں سے کوئی کسی کا اثر قبول نہ کریگا اور سرے سے فعل واقع ہی نہ ہوگا۔ اگر کپڑے میں بھی وہی سختی ہو جو سوئی میں ہے تو سینے کا فعل پورا نہیں ہو سکتا۔ اگر زمین میں وہ نرمی نہ ہو جسکی وجہ سے وہ کدال اور ہل کا غلبہ قبول کرتی ہے تو زراعت اور تعمیر ناممکن ہو جائے۔ غرض دنیا میں جتنے افعال واقع ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہو سکتا اگر ایک فاعل کے مقابلہ میں ایک منفعل نہ ہو اور منفعل میں فاعل کے اثر سے مغلوب ہونے کی صلاحیت نہ ہو۔

پس زوجین میں زوج فاعل کی طبیعت کا اقتضایہ ہی ہے کہ اس میں غلبہ اور شدت اور تحکم ہو جسکو مردانگی و رجولیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ فعلی پر زے کی خشیت اپنے خدمت بجالانے کے لیے اسکا ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ اسکے برعکس زوج منفعل کی فطرت انفعالیہ کا یہی اقتضایہ ہے کہ اس میں نرمی اور نزاکت اور لطافت اور تأنُّت ہو جسے انوثت یا نسائیت کہا جاتا ہے، کیونکہ زوجیت انفعالی پہلو میں یہی صفات اس کو کامیاب بنا سکتی ہیں جو لوگ اس راز کو نہیں جانتے وہ یا تو فاعل کی ذاتی فضیلت کو عزت کا ہم معنی سمجھ کر منفعل کو بالذات ذلیل قرار دے بیٹھتے ہیں، یا پھر سرے سے اس فضیلت کا انکار کر کے منفعل میں بھی وہی صفات پیدا کر نیکی کوشش کرتے ہیں جو فاعل میں ہونی چاہئیں۔ لیکن جس انجمن نے ان دونوں پر زوں کو بنایا ہے وہ انکو مشین میں اس طور پر نصب کرتا ہے کہ عزت میں دونوں یکساں، اور تربیت و عنایت میں دونوں برابر، مگر فعل و انفعالی کی طبیعت جس غالبیت و مغلوبیت کی مقتضی ہے وہی ان میں پیدا ہوتا کہ وہ تزویج کے مشار کو پورا کر سکیں، نہ یہ کہ دونوں ایسے پتھر بن جائیں جو ٹکرا تو سکتے ہیں مگر آپس میں کوئی امتزاج اور کوئی ترکیب قبول نہیں کر سکتے۔

یہ وہ اصول ہیں جو زوجیت کے ابتدائی مفہوم ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ محض ایک مادّی وجود ہونے کی حیثیت سے عورت اور مرد کا زوج زوج ہونا ہی اسکا مقتضی ہے کہ انکے تعلقات میں یہ اصول مرعی رکھے جائیں۔ چنانچہ آگے چل کر آپ معلوم ہوگا کہ فاطر السموات والارض نے جو قانون معاشرت بنایا ہے اس میں ان تینوں کی پوری رعایت کی گئی ہے۔

انسان کی حیوانی فطرت اور اسکے مقتضیات | اب ایک قدم آگے بڑھیے۔ عورت اور مرد کا وجود محض ایک مادّی وجود ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک حیوانی وجود بھی ہے۔ اس حیثیت سے ان کا زوج زوج ہونا کس چیز کا مقتضی ہے؟ قرآن کہتا ہے:-

جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَنْثًا وَرِجَالًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ وَأَن تَرْضَوْا عَنْهَا وَتَرْضَوْا عَنْهَا وَتَرْضَوْا عَنْهَا (الشوریٰ-۲)

”اللہ نے تمہارے لیے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے بھی جوڑے بنائے۔ اس طریقہ سے وہ تم کو روئے زمین پر پھیلاتا ہے۔“

دِسَّا عَکُم حَتَّ ثَلَاثُ لُكْزٍ (بقرہ: ۳۸) ”تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔“

پہلی آیت میں انسان اور حیوان دونوں کے جوڑے بنانے کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا مشترک مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے زوجی تعلق سے تناسل کا سلسلہ جاری ہو۔ دوسری آیت میں انسان کو عام حیوانات الگ کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انواع حیوانات میں اس خاص نوع کے زوجین میں کھیتی اور کسان کا تعلق ہے۔ یہ ایک حیاتی حقیقت (Biological fact) ہے، اور حیاتیات کے نقطہ نظر سے بہترین تشبیہ جو عورت اور مرد کو دیجا سکتی ہے وہ یہی ہے۔ ان دونوں آیتوں سے تین مزید اصول حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کی طرح انسان کے جوڑے بھی اس مقصد کے لیے بنائے ہیں کہ ان کے صنفی تعلق سے انسانی نسل جاری ہو۔ یہ انسان کی حیوانی فطرت کا مقتضا ہے جسکی رعایت ضروری ہے۔ خدا نے نوع انسانی کو ایسے پیدا نہیں کیا ہے کہ اسکے چند افراد زمین پر اپنے نفس کی پرورش کریں اور بس ختم ہو جائیں، بلکہ اسکا ارادہ ایک اجلِ معین تک اس نوع کو باقی رکھنے کا ہے، اور اس نے انسان کی حیوانی فطرت میں صنفی میدان اسی لیے رکھا ہے کہ اسکے زوجین باہم ملیں اور خدا کی زمین کو آباد رکھنے کے لیے اپنی نسل جاری کریں۔ پس جو قانونِ خدا کی طرف سے ہو گا وہ کبھی صنفی میدان کو کچلنے اور فنا کرنے والا نہیں ہو سکتا، اسے نفرت اور کلتی اجتناب کی تعلیم دینے والا نہیں ہو سکتا، بلکہ اس میں لازماً ایسی گنجائش رکھی جائے گی کہ انسان اپنی فطرت کے اس اقتضا کو پورا کر سکے۔

۲۔ عورت اور مرد کو کھیتی اور کسان کے تشبیہ دیکر یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی زوجین کا تعلق دوسرے حیوانات کے زوجین مختلف ہے۔ انسانی حیثیت سے قطع نظر، حیوانی اعتبار سے بھی ان دونوں کی ترکیبِ جسمانی اس طور پر رکھی گئی ہے کہ ان کے تعلق میں وہ پابندی ہوئی چاہیے جو کسان اور اس کے کھیت میں ہوتی ہے۔

جس طرح کھیتی میں کسان کا محض بیج پھینک دینا ہی نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اسکو پانی دے، کھاد مہیا کرے، اور اسکی حفاظت کرتا رہے، اسی طرح عورت بھی وہ زمین نہیں ہے جس میں ایک جانور چلتے پھرتے کوئی بیج پھینک جائے اور وہ ایک خود رو درخت اُگادے، بلکہ جب وہ بارور ہوتی ہے تو درحقیقت اسکی محتاج ہوتی ہے کہ اُسکا کسان اُسکی پرورش اور اُس کی رکھوالی کا پورا بار سنبھالے۔

۳۔ انسان کے زوجین میں جو صنفی کشش ہے وہ حیاتی (Biological) حیثیت اُسی نوع کی ہے جو دوسری انواع حیوانی میں پائی جاتی ہے۔ ایک صنف کا ہر فرد صنف مقابل کے ہر فرد کی طرف حیوانی میلان رکھتا ہے اور تناسل کا زبردست داعیہ، جو ان کی سرشت میں رکھا گیا ہے، دونوں صنفوں کے اُن تمام افراد کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتا ہے جن میں تناسل کی صلاحیت بالفعل موجود ہو۔ پس فطر کائنات کا بنایا ہوا قانون، انسان کی حیوانی فطرت کے اس کمزور پہلو سے بے پروا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں صنفی انتشار (Sexual anarchy) کی طرف ایسا شدید میلان چھپا ہوا ہے جو تحفظ کی خاص تدابیر کے بغیر قابو میں نہیں رکھا جاسکتا، اور ایک مرتبہ اگر وہ بے قابو ہو جائے تو انسان کو پورا حیوان بلکہ حیوانات میں بھی سب سے ازل بن جائے کوئی چیز رک نہیں سکتی۔ اَقْدَّ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالٰتِ -

فطرت انسانی اور اس کے مقتضیات | جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، طبیعت حیوانیہ، خلقت انسانی کی تہ میں زمین اور بنیاد کے طور پر ہے، اور اسی زمین پر انسانیت کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ ان کے انفرادی وجود اور اسکی نوعی ہستی، دونوں کو باقی رکھنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں سے ہر ایک کی خواہش اور ہر ایک کے حصول کی استعداد اللہ تعالیٰ نے اسکی حیوانی سرشت میں رکھ دی ہے،

اور فطرتِ الہی کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان خواہشات میں کسی خواہش کو پورا ہونے دیا جائے یا ان استعدادات میں سے کسی استعداد کو فنا کر دیا جائے، کیونکہ یہ سب چیزیں بھی بہر حال ضروری ہیں اور ان کے بغیر انسان اور اس کی نوع زندہ نہیں رہ سکتی۔ البتہ فطرتِ حق یہ چاہتی ہے کہ انسان اپنی ان خواہشات کو پورا کرنے اور ان استعدادات سے کام لینے میں نرا حیوانی طریقہ نہ اختیار کرے، بلکہ اس کی انسانی سرشت جن امور کی مقتضی ہے اور اُس میں جن فوق الحیوانی امور کی طلب رکھی گئی ہے، اُن کے لحاظ سے اُس کا طریقہ انسانی ہونا چاہیے۔ اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدود شرعی مقرر فرمائی ہیں، تاکہ انسان کے افعال کو ایک ضابطہ کا پابند بنایا جائے۔ اور اس کے ساتھ یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ اگر افرات یا تفریط کا طریقہ اختیار کر کے ان حدود سے تجاوز کرو گے تو اپنے آپ کو خود تباہ کر لو گے وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ ذَنْفُهُ (الطلاق: ۱)

اب دیکھیے کہ صنفی معاملات میں قرآن مجید انسانی فطرت کی کن خصوصیات اور کن مقتضیات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

(۱) دونوں صنفوں کے درمیان جس قسم کا تعلق انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اُس کی تشریح یہ ہے:-

خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا  
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً  
وَرَحْمَةً (الروم: ۲۱)

اللہ نے تمہارے لیے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس تمہارے درمیان مودت اور رحمت رکھ دی ہے۔

هَئِنَ لَبِاسًا لَكُمْ وَانْتُمُ لِبَاسٌ  
لَهُنَّ (بقرہ- ۲۲)

وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

اس پہلے جس آیت میں انسان اور حیوان دونوں کے لیے جوڑے بنانے کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا تھا وہاں تخلیق زوجین کا مقصد صرف بقائے نسل بتایا گیا تھا۔ اب حیوان سے الگ کر کے انسان کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ اس میں زوجیت کا ایک بالاتر مقصد بھی ہے، اور وہ یہ کہ ان کا تعلق محض شہوانی تعلق نہ ہو بلکہ محبت اور انس کا تعلق ہو، دل کے لگاؤ اور روحوں کے اتصال کا تعلق ہو، وہ ایک دوسرے کے راز دار اور شریک رنج و راحت ہوں، اُن کے درمیان ایسی معیت اور دائمی وابستگی ہو جیسی لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کا یہ تعلق انسانی تمدن کی عمارت کا سنگ بنیاد ہے جیسا کہ ہم تفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ لَتَسْكُنُوا الْبَہْلَ سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ عورت کی ذات میں مرد کے لیے سرمایہ سکون و راحت ہے، اور عورت کی فطری خدمت یہی ہے کہ وہ اس جدوجہد اور ہنگامہ عمل کی مشقتوں بھری دنیا میں سکون و راحت کا ایک گوشہ مہیا کرے۔ یہ انسان کی خانگی زندگی ہے جسکی اہمیت کو ماؤسی منفعتوں کی خاطر اہل مغرب نے نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ تمدن و عمران کے شعبوں میں جو اہمیت دوسرے شعبوں کی ہے وہی اس شعبے کی بھی ہے، اور تمدنی زندگی کے لیے یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنے دوسرے شعبے ضروری ہیں۔

(۲) یہ صنفی تعلق صرف زوجین کی باہمی محبت ہی کا مقتضی نہیں ہے، بلکہ اس امر کا بھی مقتضی ہے کہ اس تعلق سے جو اولاد پیدا ہو اسکے ساتھ بھی ایک گہرا روحانی تعلق ہو۔ فطرت الہی نے اس کے لیے انسان کی اور خصوصاً عورت کی جسمانی ساخت اور حمل و رضاعت کی طبیعی صورت ہی میں ایسا انتظام کیا ہے کہ اسکی رگ رگ اور ریشے ریشے میں اولاد کی محبت پیوست ہو جاتی ہے، چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے:

حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهَنًا عَلٰی وَهْنٍ اس کی ماں نے اسکو جھٹکے پر جھٹکے اٹھا کر پیٹ میں رکھا

وَفِصْلَةٍ فِیْ عَامِنٍ (لقمان: ۲) پھر دو سال کے بعد وہ ماں کی چھاتی سے جدا ہوا

حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كَرْهًا وَوَضَعَتْهُ اس کی ماں نے اسکو تکلیف کے ساتھ پیٹ

کَرْهًا وَحَمْلًا وَفِصْلًا ثَلَاثُونَ شَهْرًا -  
(الاحقاف: ۲۰)  
دودھ چھٹائی میں تیس مہینے صرف ہوئے۔

ایسا ہی حال مرد کا ہے، اگرچہ اولاد کی محبت میں وہ عورت سے کمتر ہے:-

زَيْنَ لَنَا سِرْحُبُ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ  
وَالْبَنِينَ (آل عمران: ۲۱)  
لوگوں کے لیے خوش آئند ہے مرغوب چیزوں کی محبت  
جیسے عورتیں، اولاد اور.....

یہی فطری محبت انسان اور انسان کے درمیان نسبی اور صہری رشتے قائم کرتی ہے، پھر ان  
رشتوں سے خاندان اور خاندانوں سے قبائل اور قومیں بنتی ہیں، اور ان کے تعلقات سے تمدن وجود  
میں آتا ہے:-

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا  
فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا (الفرقان: ۵)  
اور وہ خدا ہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا  
پھر اسکو نسب و صہرے بنا دیا۔  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ  
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ  
لِتَعَارَفُوا (المجادل: ۳)  
لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا  
پھر تمہاری قومیں اور تمہارے قبیلے بنا دیے تاکہ تم  
ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

پس ارحام اور انساب اور مصاہرے کے رشتے دراصل انسانی تمدن کے ابتدائی اور طبعی ہوسٹا  
اور انکو قیام کا انحصار اس پر ہے کہ اولاد اپنے معلوم و معروف ماں باپ سے ہو اور انساب محفوظ ہوں۔

(۳) انسانی فطرت کا اقتضایہ بھی کہ وہ اپنی محنتوں کے نتائج اور اپنی گاڑھی کمائی میں سے اگر کچھ چھوڑ  
تو اپنی اولاد اور اپنے ان عزیزوں کے لیے چھوڑے جن کے ساتھ وہ تمام عمر غریبی اور رنجی رشتوں میں بندھا

رہا ہے۔  
وَأُولَٰئِكَ أَكْرَاهِمَ بِبَعْضِهِمْ آوَلَىٰ  
بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ - (النفال: ۱۰)  
اور اللہ کے قانون میں رشتہ دار ایک دوسرے  
کی وراثت کے زیادہ حق دار ہیں۔

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ  
أَبْنَاءَكُمْ - (الاحزاب - ۱)  
جن کو تم منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہو ان کو خدا نے تمہارا  
بیٹا نہیں بنایا ہے۔

پس تقسیم میراث کے لیے بھی تحفظ انساب کی ضرورت ہے۔

(۴) انسان کی فطرت میں حیا کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اسکے جسم کے بعض حصے ایسے  
ہیں جنکے چھپانے کی خواہش خدا نے اسکی جبلت میں پیدا کی ہے، اور یہی جبلت خواہش ہے جس نے ابتدا سے  
انسان کو کسی نہ کسی نوع کا لباس اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس باب میں قرآن طبعیت کے ساتھ جدید نظر  
کی تردید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان فی جسم جن حصوں میں مرد اور عورت کے لیے صنفی جاؤزیت، ان کے  
آٹھار میں شرم کرنا اور ان کو چھپانے کی کوشش کرنا انسانی فطرت کا اقتضار ہے، البتہ شیطان یہ چاہتا ہے  
کہ وہ ان کو کھول دے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ  
لَهُمَا مَا وَرَءَ عَنَّهُمَا مِنْ سَوَآتِهِمَا...  
پھر شیطان نے آدم اور ان کی بیوی کو بہکایا تاکہ ان کے  
جسم میں جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا اس کو ان پر ظاہر کر دے  
... پس جب انہوں نے اس شجر کا مزہ اچکھا تو ان پر انگو  
جسم کے پوشیدہ حصے کھل گئے اور وہ ان کو جنت کے  
وَسَاقِ الْجَنَّةِ (الاعراف : ۲) پتوں سے ڈھانکنے لگے۔

پھر قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے لباس اسی لیے اتارا ہے کہ وہ تمہارے لیے ستر پوشی کا ذریعہ بھی  
ہو اور زینت کا ذریعہ بھی مگر محض ستر چھپالینا کافی نہیں، اس کے ساتھ ضروری ہے کہ تمہارے دلوں  
میں تقویٰ بھی ہو۔ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَآتِكُمْ وَرِثَاؤَ لِبَاسِ التَّقْوَىٰ  
ذَٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف : ۳)۔

یہ اسلامی نظام معاشرت کے اساسی تصورات ہیں۔ ان تصورات کو ذہن نشین کرنے

کے بعد اب اُس نظام معاشرت کی تفصیلی صورت ملاحظہ کیجیے جو ان تصورات کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس مطالعہ کے دوران میں آپ کو گہری نظر سے اس امر کا تجسس کرنا چاہیے کہ اسلام جن نظریات کو اپنے قانون کی اساس قرار دیتا ہے انکو عملی جزئیات و تفصیلات میں نافذ کرتے ہوئے کہاں تک یکسانی و ہموازی اور منطقی ربط و مطابقت قائم رکھتا ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے جتنے قوانین ہم نے دیکھے ہیں ان سب کی یہ مشترک اور نمایاں کمزوری ہے کہ ان کے اساسی نظریات اور عملی تفصیلات کے درمیان پورا منطقی ربط قائم نہیں رہتا۔ اصول اور فروع میں صریح تناقض پایا جاتا ہے۔ کلیات جو بیان کیے جاتے ہیں ان کا مزاج کچھ اور ہوتا ہے، اور عمل درآمد کے لیے جو جزئیات مقرر کیے جاتے ہیں ان کا مزاج کوئی اور صورت اختیار کر لیتا ہے۔ فکر و تعقل کے آسمانوں پر چڑھ کر ایک نظریہ پیش کر دیا جاتا ہے مگر جب عالم بالا سے اتر کر واقعات اور عمل کی دنیا میں آدمی اپنے نظریہ کو عمل کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے تو یہاں عملی مسائل میں وہ کچھ ایسا کھویا جاتا ہے کہ اسے خود اپنا نظریہ یاد نہیں رہتا۔ انسانی ساخت کے قوانین میں سے کوئی ایک قانون بھی اس کمزوری سے خالی نہیں پایا گیا۔ اب آپ دیکھیں، اور خوردبین لگا کر انتہائی نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھیں کہ یہ قانون جو ریگستان عرب کے ایک اُن پڑھ چرواہے نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے — جس کے مرتب کرنے میں اس نے کسی مجلس قانون ساز اور کسی سبکدوش کمیٹی سے مشورہ تک نہیں لیا — اس میں بھی کہیں کوئی منطقی بے ربطی اور کسی تناقض کی جھلک پائی جاتی ہے؟

# اسلامی نظام معاشرت

## اصول و ارکان

تنظیم معاشرت کے سلسلہ میں سب سے اہم سوال، جیسا کہ ہم کسی دوسرے موقع پر بیان کر چکے ہیں، صنفی میلان کو انتشار عمل سے روک کر ایک ضابطہ میں لانے کا ہے۔ کیونکہ اسکے بغیر تمدن کی شیرازہ بندی ہی نہیں ہو سکتی، اور اگر ہو بھی جائے تو اس شیرازے کو بکھر نے اور انسان کو شدید اخلاق و ذہنی انحطاط سے بچانے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اس غرض کے لیے اسلام نے عورت اور مرد کے تعلقات کو مختلف حدود کا پابند کر کے ایک مرکز پر سمیٹ دیا ہے۔

**عمرات** سب سے پہلے اسلامی قانون ان تمام مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لیے حرام کرتا ہے جو باہم مل کر رہنے یا نہایت قریبی تعلقات رکھنے پر مجبور ہیں، مثلاً ماں اور بیٹا، باپ اور بیٹی، بھائی اور بہن، پھوپھی اور بھتیجا، چچا اور بھتیجی، خالہ اور بھانجا، ماموں اور بھانجی، سوتیلی ماں اور بیٹا، ساس اور داماد، خسر اور بہو، سالی اور بہنوئی (دہن کی زندگی میں)، اور رضاعی رشتہ دار (سورہ نساء - رکوع ۴)۔ ان تعلقات کی حرمت قائم کر کے انکو صنفی میلان سے اس قدر پاک کر دیا گیا ہے کہ ان رشتوں کے مرد اور عورت یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ایک دوسرے کی جانب کوئی صنفی کشش کھینچ رہے ہیں۔ بجز ایسے خبیث طینت پہاڑ کے جنکی سمیت کسی اخلاقی ضابطہ کی حد میں رہنا قبول نہیں کرتی۔

**حرمت زنا** اس حد بندی کے بعد دوسری قید یہ لگائی گئی کہ ایسی تمام عورتیں بھی حرام ہیں جو بالفعل کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوں (وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ) (سورہ نساء: ۴)

ان کے بعد جو عورتیں باقی بچتی ہیں ان کے ساتھ ہر قسم کے ضابطہ صنفی تعلق کو حرام کر دیا گیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الَّتِي فِي إِيَّاهُ كَانَتْ فَاحِشَةً ۖ وَنَاكِحُوا  
وَمَسَاءَ سَبِيلًا۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)  
زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور  
بہت برا راستہ ہے۔

**نکاح** | اس طرح حدود و قیود لگا کر صنفی انتشار کے تمام راستے بند کر دیے گئے۔ مگر انسان کی حیوانی سرشت کے اقتضار اور کارخانہ قدرت کے مقرر طریقہ کو جاری رکھنے کے لیے ایک دروازہ کھولنا بھی ضرورت تھا، سو وہ دروازہ نکاح کی صورت میں کھولا گیا، اور کہہ دیا گیا کہ اس ضرورت کو تم پورا کرو، مگر منتشر اور بے ضابطہ تعلقات میں نہیں، چوری چھپے بھی نہیں، کھلے بندوں بے حیائی کے طریقہ پر بھی نہیں، بلکہ باقاعدہ اعلان و اظہار کے ساتھ تاکہ تمہاری سوسائٹی میں یہ بات معلوم اور تسلیم ہو جائے کہ فلاں مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہو چکے ہیں۔

وَاحِلَ لَكُمْ مَا وَسَاءَ ذِكْرُنَ ۚ  
تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرُ مُسَافِحِينَ  
..... فَأَنْكَحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ  
..... مُحْصِنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِحَاتٍ وَلَا  
مَتَّحِذَاتٍ أَخَذَ ان رالنساء: ۴  
ان عورتوں کے سوا جو عورتیں ہیں، تمہارے لیے  
حلال کیا گیا کہ تم اپنے اموال کے بدلے میں دھرم دیکر  
ان (انحصان و نکاح) کا باضابطہ تعلق قائم کرو نہ کہ آزاد  
شہوت رانی کا..... پس ان عورتوں کے متعلقین  
کی رضامندی سے ان کے ساتھ نکاح کرو..... اس طرح

کہ وہ قید نکاح میں ہوں نہ یہ کہ کھلے بندوں یا چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔

یہاں اسلام کی شان اعتدال دیکھیے کہ جو صنفی تعلق دائرہ ازدواج کے باہر حرام اور قابل نفرت تھا وہی دائرہ ازدواج کے اندر نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، اگر ثواب ہے، اسکو اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اس سے اجتناب کرنے کو ناپسند کیا جاتا ہے اور زوجین کا ایسا تعلق ایک عبادت بن جاتا ہے حتیٰ کہ اگر عورت اپنے شوہر کی جائز خواہش سے بچنے کے لیے نفل روزہ رکھ لے، یا نماز و تلاوت میں مشغول ہو جائے تو وہ الٹی گنہگار ہوگی۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند حکیمانہ اقوال ملاحظہ ہوں۔

عليكم بالباعة فإنه اغضرت

للبرص واحصر للفرج فمن لم يستطع

منكم الباعة فعليه بالصوم فإن الصوم

له وجاء (الترمذي أبواب النكاح) وفي هذا

المعنى حديث في كتاب النكاح للبغدادی

والله اني لا خشاكم الله واتقاكم

له لكني اصوم و افطر و اصلي و ارقد

وانتزوج النساء فمن رغب عن سنتي

فليس مني (بخاری کتاب النکاح)

کرتا ہوں یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ سے اجتناب کرے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

لا تقصوم المرأة و جعلها شاهداً

إذا باذنت رجلاً باب صوم المرأة بإذن زوجها

إذا باقت المرأة مهاجرة قرأ

زوجها العنتها الملائكة حتى ترجع

(بخاری کتاب النکاح)

جب تک کہ وہ رجوع نہ کرے۔

إذا رأى أحدكم امرأة فاعجبته

فليات أهله فإن معها مثل الذي

معهما (ترمذی) باب ملجاء فی الرجل یرى

المرأة فتعجبها

تم کو نکاح کرنا چاہیے کیونکہ وہ آنکھوں کی شرارت

سے روکنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کی بہترین

تدبیر ہے۔ اور جو شخص تم سے نکاح کی قدرت نہ رکھتا

ہو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ شہوت کو

دبانے والا ہے۔

بخدا کہ میں خدا سے ڈرنے اور اس کی ناراضی

سے بچنے میں تم سب سے بڑھ کر ہوں، مگر مجھے دیکھو کہ روزہ

بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں

اور راتوں کو سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی

کرتا ہوں یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ سے اجتناب کرے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کے اذن

کے بغیر نقل روزہ نہ رکھے۔

جو عورت اپنے شوہر سے اجتناب کر کے اس سے

الگ رات گزارے اس پر ملائکہ لعنت بھیجتے ہیں

جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھ لے

اور اس کے حسن سے متاثر ہو تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے

کیونکہ اس کے پاس بھی وہی ہے جو اس کے پاس تھا

ان تمام احکام و ہدایات سے شریعت کا منشا یہ ہے کہ صنفی انتشار کے تمام دروازے مسدود کیے جائیں، زوجی تعلقات کو دائرہ ازدواج کے اندر محدود کیا جائے، اس دائرہ کے باہر جس حد تک ممکن ہو کسی قسم کی صنفی تحریکات نہ ہوں، اور جو تحریکات خود طبیعت کے اقتضایا اتفاقی حوادث سے پیدا ہوں ان کی تسکین کے لیے ایک مرکز بنا دیا جائے۔ عورت کے لیے اس کا شوہر اور مرد کے لیے اس کی بیوی۔

اس طرح انسان تمام غیر طبعی اور خود ساختہ میجانات اور انتشار عمل سے بچ کر اپنی مجتمع قوت (Conservated energy) کے ساتھ نظام تمدن کی خدمت کرے، اور وہ صنفی محبت اور کشش کا مادہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کارخانے کو چلانے کے لیے ہر مرد و عورت میں پیدا کیا ہے، تمام تر ایک خاندان کی تخلیق اور اس کے استحکام میں صرف ہو۔ ازدواج ہر حیثیت سے پسندیدہ کیونکہ وہ فطرت انسانی اور فطرت حیوانی دونوں کے منشا اور قانون الہی کے مقصد کو پورا کرتا ہے، اور ترک ازدواج ہر حیثیت سے ناپسندیدہ، کیونکہ وہ دو برائیوں میں سے ایک برائی کا حامل ضرور ہوگا، یا تو انسان قانون فطرت کے منشا کو پورا ہی نہ کرے گا اور اپنی قوتوں کو فطرت لڑنے میں ضائع کر دیگا، یا پھر وہ اقتضائے طبیعت سے مجبور ہو کر غلط اور ناجائز طریقوں سے اپنی خواہشات کو پورا کرے گا۔

خاندان کی تنظیم | صنفی میلان کو خاندان کی تخلیق اور اس کے استحکام کا ذریعہ بنانے کے بعد اسلام خاندان کی تنظیم کرتا ہے، اور یہاں بھی وہ پورے توازن کے ساتھ قانون فطرت کے اُن تمام پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے جن کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ عورت اور مرد کے حقوق متعین کرنے میں جس درجہ عدل و انصاف اس نے ملحوظ رکھا ہے، اس کی تفصیلات میں نے ایک الگ مضمون میں بیان کی ہیں جو حقوق الزوجین کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس کی طرف مراجعت کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ دونوں صنفوں میں جس حد تک مساوات قائم کی جاسکتی تھی وہ اسلام نے قائم کر دی ہے۔ لیکن اسلام اُس مساوات کا قائل نہیں ہے جو قانون فطرت کے خلاف ہو۔ انسان ہونے کی حیثیت سے جیسے حقوق مرد کے

ہیں ویسے ہی عورت کے ہیں۔ لَقَدْ بَـمِثْلِ الَّذِیْنَ عَلَیْہِمْ ۚ۔ لیکن زوج فاعل ہونے کی حیثیت سے جو ذاتی فضیلت (بمعنی عزت نہیں بلکہ بمعنی غلبہ و تقدم) مرد کو حاصل ہے، وہ اس نے پورے انصاف کے ساتھ مرد کو عطا کی ہے: وَلِلرِّجَالِ عَلَیْہِمْ دَرَجَةٌ (بقرہ: ۲۸) اس طرح عورت اور مرد میں فاضل اور مفضول کا فطری تعلق تسلیم کر کے اسلام نے خاندان کی تنظیم حسبِ میل قواعد پر کی ہے۔

مرد کی قوامیت | خاندان میں مرد کی حیثیت قوام کی ہے، یعنی وہ خاندان کا حاکم ہے، محافظ ہے، اخلاق اور معاملات کا نگران ہے، اسکی بیوی اور بچوں پر اسکی اطاعت فرض ہے (بشرطیکہ وہ اللہ اور رسول کی نافرمانی کا حکم نہ دے)، اور اس پر خاندان کے لیے روزی کمانے اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ  
بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا  
أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء: ۶)

مرد عورتوں پر قوام ہیں اُس فضیلت کی بنا پر جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطا کی ہے، اور اس بنا پر کہ وہ اُن پر (مہر و نفقہ کی صورت میں) اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

الرَّجُلُ رَآءُ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ  
مَسْئُولٌ (بخاری باب قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ  
نار۔ کتاب النکاح)

مرد اپنے بیوی بچوں پر حکمراں ہے اور اپنی رعیت میں اپنے عمل پر خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

فَالصُّلْحُ خَيْرٌ قُتِبَتْ حِفْظُ  
لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ (النساء: ۶)

صالح بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار اور اللہ کی توفیق سے شوہروں کی غیر موجودگی میں ان کے ناموس کی محافظ ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجْتَ الْمَرْأَةُ  
بِني صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت اپنے

شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن وانس کے سوا ہر وہ چیز جس پر وہ گزرتی ہے، اس پر چٹکا

من بیتھا ونزوحھا کارہ لعنھا کل ملک فی السماء وکل شیء مرّت علیہ غیر الجن والانس حتی ترجع (کشف الغم) بھیجتی ہے تاوقتیکہ وہ واپس نہ ہو۔

اور جن بیویوں سے تم کو مکرشی و نافرمانی کا خوف ہو ان کو نصیحت کرو، (نہ مائن تو) خوابگاہوں میں ان سے ترک تعلق کرو، (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر زیادتی کرنے

وَالَّذِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْتَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا (النساء: ۳۴) کے لیے کوئی بہانہ نہ نکالو۔

بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص خدا کی اطاعت نہ کرے اسکی اطاعت نہ کی جائے۔ اللہ کی نافرمانی میں کسی شخص کی فرمانبرداری نہیں کی جاسکتی۔ فرمانبرداری صرف امر معروف میں ہے۔

وَقَالَ ابْنِي صَلِّمْ لَا طَاعَةَ لِمَنْ لَمْ يَطْعِ اللَّهَ (رواہ احمد بن حنبلہ) ولا طاعة في معصية الله (رواہ احمد بن حنبلہ) من حديث عثمان بن حصين) انما الطاعة في المعروف (بخاری کتاب الاحکام)

اور ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ ادب پیش آئے لیکن اگر وہ تجھ کو حکم دیں کہ میرے ساتھ کوئی شریک ٹھیرائے جسکے لیے تیرے

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا فَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (العنکبوت: ۲۹)

پاس کوئی دلیل ہی نہیں ہے تو اس باب میں ان کی اطاعت نہ کر۔

اس طرح خاندان کی تنظیم اس طور پر کی گئی ہے کہ اس کا ایک سر و ہر اور صاحب امر ہو۔ جو شخص

اس نظم میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے اس کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وعید ہے کہ

من افسد امرأة على زوجها  
فليس متنا (كشف الغمّة)  
جو کوئی کسی عورت کو تعلقات اسکے شوہر سے غراب نہی  
کوشش کرے اس کا ہم سے کچھ تعلق نہیں۔

عورت کا دائرہ عمل اس تنظیم میں عورت کو گھر کی ملکہ بنایا گیا ہے۔ کسب مال کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے، اور اس مال سے گھر کا انتظام کرنا اس کا کام ہے۔

المراة راعية على بيت زوجها  
وہی مسئلہ۔ (بخاری باب قوا انفسکم واهلیکم نارا)  
عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی  
حکومت کے دائرے میں اپنے عمل کے لیے جوابدہ ہے۔

اس کو ایسے تمام فرائض سے سبکدوش کیا گیا ہے جو بیرون خانہ کے امور سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً  
۱۔ اس پر نماز جمعہ واجب نہیں (ابوداؤد۔ باب الطبعۃ للملک والمرأة)

اس پر جہاد بھی فرض نہیں اگرچہ بوقت ضرورت وہ مجاہدین کی خدمت کے لیے جاسکتی ہے  
جیسا کہ آگے چل کر تحقیق بیان ہوگا۔

اس کے لیے جنازوں کی شرکت بھی ضروری نہیں بلکہ اس سے روکا گیا ہے (بخاری۔  
باب اتباع النصار الجنائزہ)

اس پر نماز باجماعت اور مسجدوں کی حاضری بھی لازم نہیں کی گئی۔ اگرچہ چند پابندیوں کے  
ساتھ مسجدوں میں آنے کی اجازت ضرور دی گئی ہے لیکن اس کو پسند نہیں کیا گیا (ابوداؤد۔ باب  
ما جاز فی خروج النصار الی المساجد)

اس کو محرم کے بغیر سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ (ترمذی۔ باب ما جاز فی  
کراہیۃ ان تسافر المرأة وحدها۔ و ابوداؤد باب المرأة تنج بغیر محرم)

غرض ہر طریقہ سے عورت کے گھر سے نکلنے کو ناپسند کیا گیا ہے اور اس کے لیے قانون

اسلامی میں پسندیدہ صورت یہی ہے کہ وہ گھر میں رہے جیسا کہ آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ سَلَامًا منشا ہے۔ لیکن اس باب میں زیادہ سختی اس لیے نہیں کی گئی کہ بعض حالات میں عورتوں کے لیے گھر سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک عورت کا کوئی سر دھرانہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محافظ خاندان کی مفلسی، قلتِ معاش، بیماری، معذوری یا اور ایسے ہی وجوہ سے عورت باہر کام کرنے پر مجبور ہو جائے۔ ایسی تمام صورتوں کے لیے قانون میں کافی گنجائش رکھی گئی جو چنانچہ حدیث میں:

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجِ مطہرات کے لیے خاص ہے کیونکہ آیت کی ابتدا یا نِسَاءُ النبی سے کی گئی ہے۔ لیکن اس پوری آیت میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں سے کوئی ہدایت ایسی ہے جو اہماتِ مومنین کے ساتھ خاص ہو؟ فرمایا گیا ہے ”اگر تم پر ہیرا گار ہو تو دبی زبان سے لگاؤٹ کے انداز میں کسی سے بات نہ کرو تاکہ جس شخص کے دل میں کھوٹ ہو وہ تمہارے متعلق کچھ امیدیں اپنے دل میں نہ پال لے۔ جو بات کرو سیدھا سادے انداز میں کرو۔ اپنے گھروں میں جی بیٹھی رہو۔ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ کرتی پھر و نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے“

ان ہدایات پر غور کیجیے۔ ان میں کوئی چیز ہے جو عام مسلمان عورتوں کے لیے نہیں ہے؟ کیا مسلمان عورتیں ہیرا گار نہ بنیں؟ کیا وہ غیر مردوں سے لگاؤٹ کی باتیں کیا کریں؟ کیا وہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار کرتی پھریں؟ کیا وہ نماز و زکوٰۃ اور اطاعتِ خدا و رسول سے انحراف کریں؟ کیا اللہ تعالیٰ ان کو گندگی میں رکھنا چاہتا ہے؟ اگر یہ سب ہدایات سب مسلمان عورتوں کے لیے عام ہیں تو صرف وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ہی کو ازدواجِ نبی کے لیے خاص کرنے کی کیا وجہ ہو؟

در اصل غلط فہمی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ آیت کی ابتدا میں لوگوں کو یہ الفاظ نظر آئے کہ ”اے نبی! کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں“ لیکن یہ انداز بیان بالکل اس طرح کا ہے جیسے کسی شریف بچے سے کہا جائے کہ ”تم کوئی عام بچوں کی طرح تو ہو نہیں کہ بازاروں میں پھرو اور بہودہ حرکات کرو، تمہیں تمیز سے رہنا چاہیے“ ایسا کہ جس سے مقصد نہیں ہوتا کہ دوسرے بچوں کی طرح بازاری پن اور بے ہودہ حرکات پسندیدہ ہیں اور خوش تمیزی ان کے حق میں مطلوب نہیں (بقیہ صفحہ ۱۷ پر ملاحظہ ہو)

فتداذن الله لكن ان تخرجن  
 لحواء مجکن (بخاری) باب خروج النساء لحواء مجکن  
 وفي هذا المعنى حديث في صحيح المسلم باب اباحت  
 الخروج للنساء لقضاء حاجته الانسان

مگر اس قسم کی اجازت جو محض حالات اور ضروریات کی رعایت سے دی گئی ہے، اسلامی نظام معاشرت کے اس قاعدہ میں تسلیم نہیں کرتی کہ عورت کا دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔ یہ تو محض ایک وسعت اور رخصت ہے، اور اس کو اسی حیثیت میں رہنا چاہیے۔

ضروری پابندیاں | بالغ عورت کو اپنے ذاتی معاملات میں کافی آزادی بخشی گئی ہے، مگر اس کو اس حد تک خود اختیاری عطا نہیں کی گئی جس حد تک بالغ مرد کو عطا کی گئی ہے۔ مثلاً۔

مرد اپنے اختیار سے جہاں چاہے جاسکتا ہے۔ لیکن عورت خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ یا بیوہ، ہر حال میں ضرورت ہے کہ سفر میں اس کے ساتھ ایک محرم ہو۔

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ بلکہ اس سے حسن اخلاق کا ایک معیار قائم کرنا مقصود ہے تاکہ ہر وہ بچہ جو شریف بچوں کی طرح رہنا چاہتا ہو اس معیار پر پہنچنے کی کوشش کرے قرآن میں تو کے بیوہ طریق اس لیے اختیار کیا گیا کہ عرب جاہلیت کی عورتوں میں ویسی ہی آزادی تھی جیسی اس وقت یورپ میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بتدریج انکو اسلامی تہذیب کا نوگر بنا یا جا رہا تھا اور ان کے لیے اخلاقی حدود اور ضابطہ معاشرت کی قیود مقرر کی جا رہی تھیں۔ اس حالت میں امہات المؤمنین کی زندگی کو خاص طور پر منضبط کیا گیا تاکہ وہ دوسری عورتوں کے لیے نمونہ بن جائیں اور عام مسلمانوں کے گھروں میں ان کے طریقوں کی تقلید کی جائے۔

ٹھیک ہی را علامہ ابوبکر حصص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”یہ حکم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بیویوں کے حق میں نازل ہوا ہے مگر اسکی مراد عام کس میں آپ دوسرے سب کسان شریک ہیں کیونکہ ہم آپ کی بیوی پر مامور ہیں اور وہ سب حکم جو آپ کے لیے نازل ہوئے ہیں، ہمارے لیے بھی ہیں بجز ان امور کے جنکے متعلق تصریح ہے کہ وہ آپ کے لیے خاص ہیں“ (جلد سوم - صفحہ ۲۵۵)

کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر  
پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں کہ وہ تین دن یا  
اس سے زیادہ کا سفر کرے بغیر اس کے کہ اس  
کے ساتھ اس کا باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹیا یا کوئی  
اور محرم مرد ہو۔

لا یحیل لامرأة تو من بالله  
والیوم الآخر ان تسافر سفلاً یكون  
ثلاثة ايام فضا عداً الا ومعها ابوها  
او اخوها او نزوجها او ابنها او ذو  
محرم منها۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم سے یہ ہے کہ حضور نے فرمایا عورت  
ایک دن رات کا سفر نہ کرے جب تک کہ اس  
کے ساتھ کوئی محرم مرد نہ ہو۔

وعن ابی ہریرۃ عن النبی صلی  
انہ قال لا تسافر المرأة مسیریۃ  
یوم وليلة الا ومعها محرم۔ والعمل  
علیٰ هذا عند اهل العلم (ترمذی)۔

اور حضرت ابو ہریرہ سے یہ بھی روایت ہے  
کہ حضور نے فرمایا کسی مسلمان عورت کے لیے  
حلال نہیں کہ ایک رات کا سفر کرے تا وقتیکہ  
اس کے ساتھ ایک محرم مرد نہ ہو۔

باب ما جاء فی کراهیۃ ان تسافر المرأة وحدها  
وعن ابی ہریرۃ ایضاً انہ صلی  
قال لا یحیل لامرأة مسلمة تسافر  
مسیریۃ لیلۃ الا ومعها رجل ذو حرمة  
منها (ابوداؤد۔ باب فی المرأة تجب بغیر محرم)

ان روایات میں جو اختلاف مقدار سفر کی تعیین میں ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ  
در اصل ایک دن یا دو دن کا سوال اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ اہمیت صرف اس امر کی ہے کہ عورت  
کو تنہا نقل و حرکت کرنے کی ایسی آزادی نہ دی جائے جو موجب فتنہ ہو۔ اسی لیے حضور نے  
مقدار سفر معین کرنے میں زیادہ اہتمام نہ فرمایا، اور مختلف حالات میں وقت اور موقع کی  
رعایت سے مختلف مقداریں ارشاد فرمائیں۔

مرد کو اپنے نکاح کے معاملہ میں پوری آزادی حاصل ہے۔ مسلمان یا کتا بیہ عورتوں میں سے جس کے ساتھ چاہے وہ نکاح کر سکتا ہے، اور لونڈی بھی رکھ سکتا ہے۔ لیکن عورت اس معاملہ میں کلینہ خود مختار نہیں ہے۔ وہ کسی غیر مسلم سے نکاح نہیں کر سکتی:-

لَا هَتَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ (المستحہ: ۲)

نہ یہ اُن کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال۔

وہ اپنے غلام سے بھی تمتع نہیں کر سکتی۔ قرآن میں جس طرح مرد کو لونڈی سے تمتع کی اجازت دی گئی ہے اُس طرح عورت کو نہیں دی گئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک عورت نے ماملکت ایمانکھ کی غلط تاویل کر کے اپنے غلام سے تمتع کیا تھا۔ آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہ معاملہ صحابہ کی مجلس شوریٰ میں پیش کیا اور سب نے بالاتفاق فتویٰ دیا کہ فقہاء اللہ تاؤلت کتاب اللہ غیر تاویلہ (اس نے کتاب اللہ کو غلط معنی پہنائے) ایک عورت نے حضرت عمرؓ سے ایسے ہی ایک فعل کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو سخت سزا دی اور فرمایا: تنال الحرب بخیر ما منعت نساؤھا۔ یعنی عرب کی بھلائی اسی وقت تک ہے جب تک اس کی عورتیں محفوظ ہیں۔ (کشف الغمہ للشعرانی)

غلام اور کافر کو چھوڑ کر "احرار اسلام" میں سے عورت اپنے لیے شوہر کا انتخاب کر سکتی ہے، لیکن اس معاملہ میں بھی اس کے لیے اپنے باپ، دادا، بھائی اور دوسرے اولیاء کی رائے کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ اولیاء کو یہ حق نہیں کہ عورت کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح کر دیں، کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ لا یمسح حق بنفسہا من ولیہا اور لا تنکح ابک حتی تستاذن۔ مگر عورت کے لیے بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے خاندان کے ذمہ دار مردوں کی رائے

سے لڑکی اپنے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا حق اپنے دلی سے زیادہ رکھتی ہے۔  
 لے باکرہ لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔

کے خلاف جس کے ساتھ چاہے نکاح کر لے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جہاں مرد کے نکاح کا ذکر ہے وہاں نکح ینکح کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی خود نکاح کر لینے کے ہیں، مثلاً وَلَا تَنْكِحُوا الْمُتَشْرِكَاتِ ”مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو“ اور فَانْكِحُوا هُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ اِنَّ سَعَىٰ اَنْ تَنْكِحُوا اَنْ تَنْكِحُوا اَلَا يَأْتِي مَنِكُمْ (النور: ۲۰) ”اپنی بے شوہر عورتوں کے نکاح کر دو“ اور وَلَا تَنْكِحُوا الْمُتَشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا (بقرہ: ۲۱۷) ”اپنی عورتوں کے نکاح مشرکین سے نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں“

اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی تابع ہے اسی طرح غیر شادی شدہ عورت اپنے خاندان کے ذمہ دار مردوں کی تابع ہے، اور تابعیت اس معنی میں نہیں ہے کہ اس کے لیے ارادہ و عمل کی کوئی آزادی نہیں، یا اپنے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں، بلکہ اس معنی میں ہے کہ نظام معاشرت کو اختلال و برہمی سے محفوظ رکھنے اور خاندان کے اخلاق و معاملات کو اندرونی و بیرونی فتنوں سے بچانے کی ذمہ داری مرد پر ہے، اور اس نظم کی خاطر عورت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ جو شخص اس نظم کا ذمہ دار ہو اس کی اطاعت کرے، خواہ وہ اس کا شوہر ہو، یا باپ یا بھائی۔

عورت کے حقوق | اس طرح اسلام نے بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ کو ایک فطری حقیقت تسلیم کرنے کے ساتھ ہی لِلرِّجَالِ عَلَيْهِمْ دَرَجَةٌ کی بھی ٹھیک ٹھیک تعیین کر دی ہے۔ عورت اور مرد میں حیاتیات اور نفسیات کے اعتبار سے جو فرق ہے اس کو وہ بعینہ قبول کرتا ہے، جتنا فرق ہے اُسے جوں کا توں برقرار رکھتا ہے، اور جیسا فرق ہے اسی

کے لحاظ سے ان کے مراتب اور وظائف مقرر کرتا ہے۔

اس کے بعد ایک اہم سوال عورت کے حقوق کا ہے۔ ان حقوق کی تعیین میں اسلام نے تین باتوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے۔

ایک یہ کہ مرد کو جو حاکمانہ اختیارات محض خاندان کے نظم کی خاطر دیے گئے ہیں اُن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ ظلم نہ کر سکے، اور ایسا نہ ہو کہ تابع و متبوع کا تعلق عملاً نوٹڈی اور آقا کا تعلق بن جائے۔

دوسرے یہ کہ عورت کو ایسے تمام مواقع ہم پہنچائے جائیں جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نظام معاشرت کے حدود میں اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے اور تعمیر تمدن میں اپنے حصے کا کام بہتر سے بہتر انجام دے سکے۔

تیسرے یہ کہ عورت کے لیے ترقی اور کامیابی کے بند سے بلند درجوں تک پہنچنا ممکن ہو، مگر اس کی ترقی اور کامیابی جو کچھ بھی ہو عورت ہونے کی حیثیت سے ہو۔ مرد بننا نہ تو اس کا حق ہے، نہ مردانہ زندگی کے لیے اس کو تیار کرنا اس کے اور نظام تمدن کے لیے مفید ہے، اور نہ مردانہ زندگی میں وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالاتینوں امور کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھ کر اسلام نے عورتوں کو جیسے وسیع تمدنی و معاشی حقوق دیے ہیں، اور عزت و شرف کے جو بلند مراتب عطا کیے ہیں، اور ان حقوق و مراتب کی حفاظت کے لیے اپنی اخلاقی اور قانونی ہدایات میں جیسی پابندار ضمانتیں مہیا کی ہیں ان کی نظیر دنیا کے کسی قدیم و جدید نظام معاشرت میں نہیں ملتی۔

معاشی حقوق سب سے اہم اور ضروری چیز جس کی بدولت تمدن میں انسان کی منزلت قائم ہوتی ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ اپنی منزلت کو برقرار رکھتا ہے، وہ اُس کی معاشی حیثیت کی مضبوطی ہے۔

اسلام کے سوا تمام قوانین نے عورت کو معاشی حیثیت سے کمزور کیا ہے اور یہی معاشی بے بسی معاشرے میں عورت کی غلامی کا سب سے بڑا سبب بنی ہے۔ یورپ نے اس حالت کو بدلنا چاہا، مگر اس طرح کہ عورت کو ایک کمانے والا فرد بنادیا۔ یہ ایک دوسری عظیم تر خرابی کا سبب بن گیا۔ اسلام بیچ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ عورت کو وراثت کے نہایت وسیع حقوق دیتا ہے۔ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے اسکو وراثت ملتی ہے۔ نیز شوہر سے اسکو مہر بھی ملتا ہے اور ان تمام ذرائع سے جو کچھ مال اس کو پہنچتا ہے اس میں ملکیت اور قبض و تصرف کے پورے حقوق اسے دیے گئے ہیں جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے، نہ شوہر کو، نہ کسی کو۔ مزید برآں اگر وہ کسی تجارت میں روپیہ لگا کر یا خود محنت کر کے کچھ کمائے تو اسکی مالک بھی کلیتہً وہی ہے۔ اور ان سب کے باوجود اس کا نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے۔ بیوی خواہ کتنی ہی مالدار ہو، اس کا شوہر اس کے نفقہ سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہو گئی ہے کہ بسا اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حال میں ہوتی ہے۔

**تمدنی حقوق** (۱) عورت کو شوہر کے انتخاب کا پورا حق دیا گیا ہے۔ اسکی مرضی کے خلاف یا اسکی رضامندی کے بغیر کوئی شخص اسکا نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ خود اپنی مرضی سے کسی مسلم کے ساتھ نکاح کرے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ البتہ اگر اسکی نظر انتخاب کسی ایسے شخص پر پڑے جو اس کے خاندان کے مرتبہ (Social status) سے گرا ہوا ہو تو صرف اس صورت میں اس کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔

۲۔ وراثت میں عورت کا حصہ مرد مقابلہ میں نصف رکھا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت کو نفقہ اور مہر کے حقوق حاصل ہیں جن سے مرد محروم ہے۔ عورت کا نفقہ صرف اس کے شوہر ہی پر واجب نہیں ہے، بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں باپ، بھائی، بیٹے یا دوسرے اولیاء پر اسکی کفالت واجب ہوتی ہے۔ پس جب عورت پر وہ ذمہ داریاں نہیں ہیں جو مرد پر ہیں، تو وراثت میں اس کا حصہ بھی نہ ہونا چاہیے جو مرد کا ہے۔

(۲) ایک ناپسندیدہ یا ظالم یا ناکارہ شوہر کے مقابلہ میں عورت کو خلع اور فسخ و تفریق کے وسیع حقوق دیے گئے ہیں۔

(۳) شوہر کو بیوی پر جو اختیارات اسلام نے عطا کیے ہیں ان کے استعمال میں حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے وَعَاشِرَ وَهُتَّ بِالْمَعْرُوفِ (عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو)۔ اور وَلَا تَنسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ (اور آپس کے تعلقات میں فیاضی کو نہ بھول جاؤ)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیار کم خیار کم للنساء والطفھم مباحلہ (تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھے ہیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ لطف اور مہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں)۔ یہ محض اخلاقی ہدایات ہی نہیں ہیں۔ اگر شوہر اپنے اختیارات کے استعمال میں ظلم سے کام لے تو عورت کو قانون سے مدد لینے کا حق حاصل ہے۔

(۴) بیوہ اور مطلقہ عورتوں اور ایسی تمام عورتوں کو جنکے نکاح از روئے قانون نسخ کیے گئے ہوں یا جنکو حکم تفریق کے ذریعہ سے شوہر سے جدا کیا گیا ہو نکاح ثانی کا غیر مشروط حق دیا گیا ہے اور اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اُن پر شوہر سابق یا اس کے کسی رشتہ دار کا کوئی حق باقی نہیں۔ یہ وہ حق ہے جو آج تک یورپ اور امریکہ کے بیشتر ممالک میں بھی عورت کو نہیں ملا ہے۔

(۵) دیوانی اور فوجداری کے قوانین میں عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات قائم کی گئی ہے۔ جان و مال اور عزت کے تحفظ میں اسلامی قانون عورت اور مرد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں کرتا۔

عورتوں کی تعلیم | عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے بلکہ انکی تعلیم و تربیت کو اُسی قدر ضروری قرار دیا گیا ہے جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی کرتی تھیں۔ آپ نے ان کے لیے اوقات معین

فرما دیے تھے جن میں وہ آپ سے علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ آپ کی ازواج مطہرات، اور خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہ صرف عورتوں کی، بلکہ مردوں کی بھی معلمہ تھیں اور بڑے بڑے صحابہ و تابعین اُن سے حدیث تفسیر اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اشرف تو درکنار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوٹڈیوں تک علم اور ادب سکھانے کا حکم دیا تھا، چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ

ایما رجل کانت عنده ولیدة فاعلمها  
فاحسن تعلیمها وادبها فاحسن تادیبها  
جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو خوب  
تعلیم دے اور عمدہ تہذیب شائستگی سکھائے، پھر اس کو  
آزاد کر کے اس سے شادی کرے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔

پس جہاں تک نفس تعلیم و تربیت کا تعلق ہے، اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے۔ البتہ نوعیت میں فرق ضروری ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم و تربیت وہ ہے جو اس کو ایک بہترین بیوی، بہترین ماں اور بہترین گھروالی بنائے۔ اس کا دائرہ عمل گھر ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کو ان علوم کی تعلیم دی جانی چاہیے جو اس دائرے میں اُسے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکتے ہوں۔ مزید برآں وہ علوم بھی اس کے لیے ضروری ہیں جو انسان کو انسان بنانے والے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے والے اور اس کی نظر کو وسیع کرنے والے ہیں۔ ایسے علوم اور ایسی تربیت آراستہ ہونا ہر مسلمان عورت کے لیے لازم ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی عورت غیر معمولی عقلی و ذہنی استعداد رکھتی ہو، اور ان علوم کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرنا چاہے تو اسلام اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہے، بشرطیکہ وہ اُن حدود سے تجاوز نہ کرے جو شریعت نے عورتوں کے لیے مقرر کیے ہیں۔

عورت کا اصلی اٹھان (emancipation) یہ تو صرف حقوق کا ذکر ہے۔ مگر اس کے اس احسان عظیم کا اندازہ

نہیں کیا جاسکتا جو اسلام نے عورت پر کیا ہے۔ انسانی تمدن کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے کہ عورت کا وجود دنیا میں ذلت، شرم اور گناہ کا وجود تھا۔ بیٹی کی پیدائش باپ کے لیے سخت عیب و موجب ننگ عار تھی۔ سربراہی رشتہ ذلیل

رشتے سمجھے جاتے تھے، حتیٰ کہ سکس اور سلا کے الفاظ اسی جاہلی تخیل کے تحت آج تک گالی کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ بہت سی قوموں میں اسی ذلت بچنے کے لیے لڑکیوں کو قتل کر دینے کا رواج ہو گیا تھا۔ جہلات و درکنار علما اور پیشوایان مذاہب تک میں مدتوں یہ سوال زیر بحث رہا کہ آیا عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟ اور خدا نے اس کو روح بخشی ہے یا نہیں؟ ہندو مذہب میں ویدوں کی تعلیم کا دروازہ عورت کے لیے بند تھا۔ یودہ میں عورت سے تعلق رکھنے والے کے لیے نروان کی کوئی صورت نہ تھی۔ مسیحیت اور یہودیت کی نگاہ میں عورت ہی انسانی گناہ کی بانی مبنی اور ذمہ دار تھی۔ یونان میں گھروالوں کے لیے نہ علم تھا نہ تہذیب ثقافت تھی اور حقوق مذہبیت۔ یہ چیزیں جس عورت کو ملتی تھیں وہ زندگی ہوتی تھی۔ روم اور ایران اور چین اور مصر اور تہذیب انسانی کے دوسرے مرکزوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی تھا۔ صدیوں کی مظلومی و محکومی اور عالمگیر حقارت برتاؤ نے خود عورت کے ذہن میں بھی عزت نفس کا احساس پیدا کیا تھا۔ وہ خود بھی اس امر کو بھول گئی تھی کہ دنیا میں وہ کوئی حق لے کر پیدا ہوئی ہے یا اس کے لیے بھی عزت کا کوئی مقام ہے۔ مرد اس پر ظلم و ستم کرنا اپنا حق سمجھتا تھا، اور وہ اس ظلم کو سہنا اپنا فرض جانتی تھی۔ غلامانہ ذہنیت اس حد تک اس میں پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ فخر کے ساتھ اپنے آپ کو شوہر کی ”داسی“ کہتی تھی، ”پتی ورتا“ اس کا دھرم تھا، اور پتی ورتا کے معنی یہ تھے کہ شوہر اس کا معبود اور دیوتا ہے۔

لہٰذا قرآن اس جاہلی ذہنیت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کرتا ہے:-

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ أَظْلًا وَجْهَهُ  
 مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ  
 مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ  
 أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ (النحل: ۵۸)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرہ پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ گھر کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خبر سے جو شرم کا دلغ اس کو لگ گیا ہے اس کے باعث لوگوں سے منہ چھپاتا

پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہوں یا مٹی میں دبا دوں۔

اس ماحول میں جس نے نہ صرف قانونی اور عملی حیثیت بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی ایک انقلاب عظیم برپا کیا وہ اسلام  
 اسلام نے عورت اور مرد دونوں کی ذہنیات کو بدل دیا ہے۔ عورت کی عزت اور اسکے حق کا تحیل ہی انسان کے دماغ میں  
 اسلام کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ترج حقوق نسواں اور تعلیم نسواں اور بیداری انات کے جو انقلاب آپ من رہے ہیں، یہ سب اسی  
 انقلاب انگیز صدی کی بادگشت ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بلند ہوئی تھی، اور جس نے افکار انسانی کا رخ  
 ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے دنیا کو بتایا کہ عورت بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا مرد ہے  
 خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَكُمْ (النساء-۱) اللہ نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی کی جنس کے جوڑ کو پیدا  
 خدا کی نگاہ میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْتُ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْتُ (النساء- ۵)  
 مرد جیسے عمل کریں ان کا پھل وہ پائینگے اور عورتیں  
 جیسے عمل کریں ان کا پھل وہ پائینگے۔

ایمان اور عمل صالح کے ساتھ روحانی ترقی کے جو درجات مرد کو مل سکتے ہیں وہی عورت کے لیے بھی کھلے  
 ہوئے ہیں۔ مرد اگر ابراہیم ادہم بن سکتا ہے تو عورت کو بھی رابعہ بصریہ بننے سے کوئی شے نہیں روک سکتی ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ  
 انکے رب نے انکی دعا کے جواب میں فرمایا کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے  
 کے عمل کو ضائع نہ کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم  
 مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ يَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ (النساء- ۵) سب ایک دوسرے کی جنس سے ہو۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ  
 اور جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت  
 مگر ہو ایمان دار، تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہونگے  
 وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا (النساء- ۱۸) اور ان پر رتی برابر ظلم نہ ہوگا۔

پھر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جنہوں نے مرد کو بھی خبردار کیا، اور عورت میں بھی یہ احساس پیدا کیا کہ جیسا  
 حقوق عورت پر مرد کے ہیں ویسے ہی مرد پر عورت کے ہیں۔

كَمَنْ مِّثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (البقرہ - ۲۸) عورت پر جیسے فرائض ہیں ویسی ہی اسکے حقوق بھی ہیں۔

بھروہ محمد علی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جس نے ذات اور عار کے مقام اٹھا کر عورت کو عزت کے مقام پر پہنچایا۔ وہ حضور ہی ہیں جنہوں نے باپ کو بتایا کہ بیٹی کا وجود تیرے لیے ننگ نہیں ہے بلکہ اس کی پرورش اور اس کی حق رسانی تجھے جنت کا مستحق بناتی ہے۔

من عال جاريتين حتى تبلغا يوم القيمة انا و هو جس دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں، تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئینگے جیسے میرے ہاتھ کی یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔  
من ابنتی من البنات بشیء فاحسن البیت جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ اچھی طرح انکی پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

حضور ہی نے شوہر کو بتایا کہ نیک بیوی تیرے لیے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة (نسائی کتاب النکاح) دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔  
حبب الی من الدنیا النساء والطیب و دنیا کی چیزوں میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب عورت اور خوشبو  
جعل قرۃ عینی فی الصلوۃ (نسائی کتاب عشرۃ ائمان) ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔  
لیس من متاع الدنیا شیء افضل من المرأة دنیا کی نعمتوں میں کوئی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں  
الصالحۃ (ابن ماجہ - کتاب النکاح)

- ۴ -

حضور ہی بیٹے کو بتایا کہ خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ عزت اور قدر و منزلت اور حسن سلوک

کی مستحق تیری ماں ہے۔

سأل رجل یا رسول اللہ من احق بحسن صحابی قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ابوک۔  
ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ مجھ پر حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں؟ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ۔  
اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عَقُوْقَ الْاِمَہَاتِ۔  
اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی ہے۔  
(بخاری کتاب الادب)

حضور ہی نے انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ جذبات کی فراوانی، اور حسیات کی نزاکت، اور انتہا پسندی کی جانب میل و انعطاف عورت کی فطرت میں ہے۔ اسی فطرت پر اللہ نے اس کو پیدا کیا، اور یہ انوثت کے لیے عیب نہیں اس کا حق ہے۔ تم اس سے جو کچھ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہو اس فطرۃ پر قائم رکھ کر ہی اٹھا سکتے ہو۔ اگر اس کو مردوں کی طرح بیدھا اور سخت بنانے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے۔

الملائكة كالضلع ان اقامتھا کسرتھا وان استمتعت بها استمتعت بها وفها عوج۔  
(بخاری - باب مداراة النساء)

اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے اور درحقیقت آخری شخص ہیں جنہوں نے عورت کی نسبت نہ صرف مرد کی، بلکہ خود عورت کی اپنی ذہنیت کو بھی بدل دیا اور جاہلی ذہنیت کی جگہ ایک نہایت صحیح ذہنیت پیدا کی جس کی بنیاد جذبات پر نہیں بلکہ خالص عقل اور علم پر تھی۔ پھر اپنے باطنی اصلاح ہی پر اکتفا نہ فرمائی بلکہ قانون کے ذریعہ سے عورتوں کے حقوق کی حفاظت، اور مردوں کے ظلم کی روک تھام کا بھی انتظام کیا اور عورتوں میں اتنی بیداری پیدا کی کہ وہ اپنے جائز حقوق کو سمجھیں اور ان کی حفاظت کے لیے قانون سے مدد لیں۔

سرکار رسالت مآب کی ذات میں عورتوں کو ایک ایسا رحیم و شفیق حامی اور ایسا زبردست محافظ مل گیا تھا کہ اگر ان پر ذرا سی بھی زیادتی ہوتی تو وہ شکایت لے کر بے تکلف حضور کے پاس دوڑ جاتی تھیں، اور مرد اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں انکی بیویوں کو آنحضرت تک شکایت لے جائیگا موقع نہ مل جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کا بیان ہے کہ جب تک حضور زندہ رہے ہم اپنی عورتوں سے بات کرنے میں احتیاط کرتے تھے کہ مبادا ہمارے حق میں کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ جب حضور نے وفات پائی تب ہم نے کھل کر بات کرنی شروع کی (بخاری باب الوصاة بالنساء)۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور نے بیویوں پر دست دسادی کرنے کی عام ممانعت فرمادی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر نے شکایت کی کہ عورتیں بہت شورش ہو گئی ہیں، ان کو مطیع کرنے کے لیے مارنے کی

اجازت ہونی چاہیے۔ آپنے اجازت دیدی۔ لوگ نہ معلوم کب سے بھرے بیٹھے تھے۔ جس روز اجازت ملی اسی روز ستر عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی گئیں۔ دوسرے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر فریادی عورتوں کا ہجوم ہو گیا۔ سرکار نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا، خطبہ دینے کھڑے ہوئے، اور فرمایا۔

لقد طاف اللیة بال محمد سبعون امرأة  
 آج محمد کے گھروالوں کے پاس ستر عورتوں نے چکر لگایا

کل امرأة تشتکی زوجها فلا تجد من اولئک  
 ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی۔ جن لوگوں نے

نخيار کھ۔ یہ حرکت کی ہے وہ تم میں ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں۔

اسی اخلاقی اور قانونی اصلاح کا نتیجہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں عورت کو وہ بلند حیثیت حاصل ہوئی جسکی نظردنیا کی کسی سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی۔ مسلمان عورت دنیا اور دین میں مادی، عقلی اور روحانی حیثیات عزت اور ترقی کے اُن بلند سے بلند مدارج تک پہنچ سکتی ہے جن تک مرد پہنچ سکتا ہے، اور اُس کا عورت ہونا کسی مرتبہ میں بھی اسکی راہ میں حائل نہیں ہے۔ آج اس بیسویں صدی میں بھی دنیا اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ افکار انسانی کا ارتقاء اب بھی اُس مقام تک نہیں پہنچا ہے جس پر اسلام پہنچا ہے۔ مغرب نے عورت کو جو کچھ دیا ہے عورت کی حیثیت نہیں دیا بلکہ مرد بنا کر دیا ہے۔ عورت درحقیقت اب بھی اُسکی نگاہ میں بیسی ہی ذلیل ہے جیسی پرانے دور جاہلیت میں تھی۔ گھر کی ملکہ، شوہر کی بیوی، بچوں کی ماں، ایک اصلی اور حقیقی عورت کے لیے اب بھی کوئی عزت نہیں۔ عزت اگر ہے تو اُس مرد مؤنث کے لیے ہے جو جسمانی حیثیت سے تو عورت مگر دماغی اور ذہنی حیثیت سے مرد ہو اور تمدن و معاشرت میں مرد ہی کا کام کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ انوثت کی عزت نہیں، رجولیت کی عزت ہے۔ پھر پستی اور دنائیت کے احساس (inferiority complex)

کا کھلا ہوا مظاہرہ یہ کہ مغربی عورت مردانہ لباس فخر کے ساتھ پہنتی ہے، حالانکہ کوئی مرد نہ مانہ لباس پہنکر برسرِ عام آنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ بیوی بننا لاکھوں مغربی عورتوں کے نزدیک موجب ذلت ہے، حالانکہ شوہر بننا کسی مرد نزدیک ذلت کا موجب نہیں۔ مردانہ کام کرنے میں عورتیں عزت محسوس کرتی ہیں حالانکہ خانہ داری

اور پرورش اطفال جیسے خالص زنانہ کاموں میں کوئی مرد عزت محسوس نہیں کرتا۔ پس بلا خوف تردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغربہ عورت کو بحیثیت عورت ہونے کے کوئی عزت نہیں دی ہے۔ یہ کام اسلام اور صرف اسلام نے کیا ہے کہ عورت کو تمدن و معاشرت میں اُسکے فطری مقام ہی پر رکھ کر عزت و شرف کا مرتبہ عطا کیا، اور صحیح معنوں میں انوثت کے درجہ کو بلند کر دیا۔ اسلامی تمدن عورت کو عورت اور مرد کو مرد رکھ کر دونوں سے الگ الگ وہی کام لیتا ہے جبکہ یہ فطرت نے اسکو بنایا ہے، اور پھر ہر ایک کو اسکی جگہ پر ہی رکھتے ہوئے عزت اور ترقی اور کامیابی کے یکساں مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ اُسکی نگاہ میں انوثت اور رجولیت دونوں انسانیت کے ضروری اجزاء ہیں۔ تعمیر تمدن کے لیے دونوں کی بہمت یکساں ہے۔ دونوں اپنے اپنے دائرے میں جو خدمات انجام دیتے ہیں وہ یکساں مفید اور یکساں قدر کے مستحق ہیں۔ نہ رجولیت میں کوئی شرف ہے نہ انوثت میں کوئی ذلت۔ جس طرح مرد کے لیے عزت اور ترقی اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ مرد رہے اور مردانہ خدمات انجام دے، اُسی طرح عورت کے لیے بھی عزت اور ترقی اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ عورت رہے اور زنانہ خدمات انجام دے ایک صالح نظام تمدن کا کام ہی ہے کہ وہ عورت کو اس کے فطری دائرہ عمل میں رکھ کر پورے انسانی حقوق دے، عزت اور شرف عطا کرے، تعلیم و تربیت سے اسکی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو چمکائے اور اسی دائرے میں اس کے لیے ترقیوں اور کامیابیوں کی راہیں کھولے۔